© rasailojaraid.com

نبوت کا دعویٰ کرنے والا ہر شخص جھوٹا ہے، کافر ہے، اور اس پر ایمان لانے والا بھی کافر ہے، حتّٰی کہ ایسے مدعی سے اس کی نبوت کی دلیل پوچھنا بھی کفر ہے، کیونکہ دلیل پوچھنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا سمجھ رہا ہے، اور اُسے کھلا سمجھنا بجائے خود قرآن و حدیث اور اجماع کی رو سے کفر ہے۔

اب دیکھیے۔ ایک طرف تو دعوائے نبوت بعد از خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسلام کا یہ صریح اور مُتفق علیہ حکم ہے، اور دوسری طرف یہ ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا، اپنی نبوت تسلیم کرنے کی لوگوں کو دعوت دی، نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیا، اور ماننے والوں کی ایک الگ اُمت بنائی جس کا کوئی فرد اپنے باپ کا جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتا اگر وہ اس نئی نبوت پر ایمان نہ لایا ہو۔ سوال یہ ہے کہ یہ مدعی آخر سچا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جب یہ سچا نہیں ہے تو اس کے کافر ہونے اور اس کی تصدیق کرنے والے سب لوگوں کے کافر ہونے میں شک کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ اور اس نئے نبی کی یہ اُمت مسلمانوں ہی کے اندر کا ایک فرقہ کیسے قرار پا سکتی ہے جبکہ وہ اسلام کی سرحد توڑ کر خود اس سے باہر نکل چکی ہے؟

لیکن یہ اِس نئی امت اور اِس کے بانی مدعیِ نبوت کی انتہائی چالاکی ہے کہ اس نے اسلام کی سرحد سے نکل کر بھی اپنے دین کو اصل اسلام قرار دیا، اسلام ہی کے نام سے اس کی تبلیغ کی، اور لاکھوں مسلمانوں کو اِس گمراہی میں مبتلا کیا کہ کلمۂ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے قائل ہوتے ہوئے بھی وہ کافر رہتے ہیں جب تک کہ مرزا غلام احمد کی نبوت کا کلمہ اس کے ساتھ نہ ملائیں۔ اگر یہ لوگ سیدھی طرح اسلام سے نکل کر کسی دوسرے نام سے اپنی الگ اُمت بنا لیتے اور اپنے آپ کو مسلمان نہ کہتے تو اتنا بڑا فتنہ نہ بنتے جتنا بڑا فتنہ وہ اُمت در اُمت کی صورت اختیار کر کے بن گئے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کا کوئی دوسرا نام رکھ کر اُس کی تبلیغ کرتے تو کسی ایک مسلمان کو بھی اس بات پر آمادہ نہ کر سکتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کر مرزا غلام احمد کی پیروی قبول کر لے۔ وہ نہ انگریزی حکومت کے دور میں مسلمانوں کے حقوق کا بڑا حصہ ہتھیا سکتے تھے، اور نہ پاکستان قائم ہونے کے بعد انہیں یہ موقع مل سکتا تھا کہ حکومت کے نظم ونسق اور اس کی مسلح افواج اور اس کے زیر اثر معاشی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلتے اور بڑھتے چلے جاتے۔ مگر یہ ان کی انتہائی عیاری تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو کافر قرار دے کر ان سے الگ اپنی امت بھی منظم کی، اور پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی اُمت میں شامل رہ کر وہ سرطان کے پھوڑے کی طرح جسدِ ملت میں اپنی جڑیں بھی پھیلاتے رہے۔ یہ ان کی اسی عیاری کا نتیجہ ہے کہ انہیں مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھا جاتا رہا۔ مسلمانوں کو توڑ توڑ کر وہ اپنی امت میں ملاتے اور اپنی تعداد بڑھاتے رہے۔ اور ایک منظم طریقے سے پیہم کوشش کر کے وہ مسلم معاشرے اور حکومت پر اس طرح چھاتے چلے گئے کہ اب وہ پاکستان کے حکمران بن جانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔

ربوہ کا حادثہ اسی پس منظر میں پیش آیا ہے اور یہ گویا مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آخری تنبیہ ہے کہ اگر ان میں کچھ بھی دینی حس باقی ہے تو امت محمدیہ کے اندر اُمتِ غلام احمدیہ کے پھلنے پھولنے کا ہر راستہ بند کر دیں۔ ہزار ہزار شکر ہے اس خداوند عظیم کا کہ اس تنبیہ پر پاکستان کے علماء و مشائخ، سیاسی لیڈر اور عام مسلمان بھی پوری طرح بیدار ہو گئے، اور حکومت بھی بروقت اس کی طرف متوجہ ہو گئی جیسا کہ صمدانی ٹریبونل کے قیام، مسٹر بھٹو کی ۱۳ جون والی تقریر اور پوری قومی اسمبلی کے ایک کمیٹی کی صورت میں اس مسئلے کے حل کی کوشش میں لگ جانے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس موقع پر میں چند ضروری تجاویز پیش کرتا ہوں جن سے میرے نزدیک یہ مسئلہ بخوبی حل کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ میری پہلی تجویز یہ ہے کہ پاکستان کے دستور کی دفعہ ۲ میں، جو ریاست کا مذہب اسلام قرار دیتی ہے، حسب ذیل دو شقوں کا اضافہ کیا جائے:

(۱) اللہ کی توحید، تمام انبیاء کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی ماننا، تمام کتبِ الٰہیہ کے بعد قرآن مجید کو اللہ کی آخری کتاب تسلیم کرنا اور آخرت پر ایمان رکھنا اسلام کے لازمی بنیادی عقائد ہیں جن میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

(۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرے، اور ایسے مدعی کو جو شخص اپنا مذہبی پیشوا مانے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ مدعی خود اپنے آپ کو، یا اس کے پیرو گروہ اس کو ظلی یا بروزی یا اُمتی یا غیر تشریعی نبی کہے، یا مسیح موعود، مجدد، محدث وغیرہ ناموں سے یاد کرے۔

۲۔ میری دوسری تجویز یہ ہے کہ دستور کی دفعہ ۱۰۶ کی شق (۳) میں جہاں اقلیتوں کا ذکر ہے، وہاں بدھ مت والوں کے بعد "مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرووں" کا اضافہ کر دیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ میری تیسری تجویز یہ ہے کہ دفعہ ۶ شق (۱) کے بعد حسب ذیل شق (۲) کا اضافہ کر کے بقیہ شقوں کو ان دونوں شقوں کے مطابق کر دیا جائے:

"کوئی شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اور اس کے باوجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، یا ایسا دعویٰ کرنے والے کو اپنا مذہبی پیشوا مانے، یا لوگوں کو اسے مذہبی پیشوا ماننے کی دعوت دے، یا اسے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے، وہ بھی خیانت عظمیٰ (HIGH TREASON) کا مرتکب سمجھا جائے گا۔"

ان ترمیمات سے دستور کی حد تک نئی نبوت کے فتنے کا کما حقہ سدباب ہو جاتا ہے۔ میری تجویز کردہ ان دستوری ترمیمات پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ دستور جیسی دستاویز میں کسی شخصِ خاص کا نام لینا مناسب نہیں ہے۔ ہمارا دستور قرآن سے زیادہ مقدس تو نہیں ہو سکتا۔ اس میں جب ابولہب کا نام لیا گیا ہے تو ہمارے دستور میں مرزا غلام احمد کا نام لینا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ بخصوصاً جب کہ قادیانی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اس گروہ کے بانی کا نام لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

اس کے بعد یہ ضروری ہے کہ قومی اسمبلی ایک قرارداد کے ذریعہ سے حکومت کو حسبِ ذیل تدابیر جلدی سے جلدی اختیار کرنے کا مشورہ دے:

(۱) تمام ملازمینِ حکومت سے ایک ڈیکلریشن فارم پُر کرایا جائے جس میں ہر ملازم یہ واضح کرے کہ وہ مرزا غلام احمد کو اپنا مذہبی پیشوا مانتا ہے یا نہیں۔

(۲) جو شخص غلط ڈیکلریشن دے اس کی غلط بیانی جس وقت بھی ظاہر ہو اسی وقت اس کو ملازمت سے الگ کر دیا جائے اور اس کے تمام حقوق جو سرکاری ملازمت کی بنا پر اسے حاصل ہوں، ساقط کر دیے جائیں، اور اس کو آئندہ ہر ملازمت کے لیے نااہل قرار دے دیا جائے۔

(۳) رائے دہندوں کی فہرست اور مردم شماری میں پیروانِ مرزا غلام احمد کا خانہ علیحدہ رکھا جائے۔

(۴) شناختی کارڈوں اور پاسپورٹوں میں بھی مرزا غلام احمد کے پیروؤں کے لیے ان کے نام ساتھ ان کے مذہب کی تصریح کی جائے۔

(۵) تمام کلیدی اسامیوں سے اس گروہ کے افراد کو ہٹا دیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶) سرکاری ملازمتوں میں اس گروہ کے لوگوں کا تناسب ان کی آبادی کے مطابق کردیا جائے اور تناسب سے بہت زیادہ مناصب اُن کو دے کر مسلمانوں کے ساتھ جو بے انصافی کی جاتی رہی ہے اس کا تدارک کیا جائے۔

(۷) ربوہ کی زمین جن شرائط پر انہیں دی گئی ہے ان پر نظر ثانی کی جائے اور مفادِ عامہ کو ملحوظ رکھ کر از سرِ نو شرائط مقرر کی جائیں۔ نیز اگر یہ ثابت ہو کہ انہوں نے گرانٹ کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے تو اس گرانٹ کو منسوخ کردیا جائے۔

(۸) ربوہ کو جسے انہوں نے ریاست در ریاست بنا رکھا ہے کھلا شہر قرار دیا جائے۔ اور وہاں مسلمانوں کو جائداد حاصل کرنے، سکونت اختیار کرنے یا کاروبار کرنے کے پورے مواقع دیے جائیں۔

ایسی قرارداد پاس ہونے کے بعد اگر حکومت اس پر مستعدی کے ساتھ انتظامی کارروائی کرے تو ملک بہت جلد اُن خطرات سے محفوظ ہوسکتا ہے جو اس فتنے کے ۸۰ — ۹۰ سال تک پروان چڑھتے رہنے سے اب عملاً رونما ہو رہے ہیں۔

اس کے علاوہ میں وزیراعظم صاحب سے دو گزارشیں اور کروں گا۔ ایک یہ کہ صمدانی ٹریبونل کی رپورٹ کو بلاکم و کاست شائع کریں۔ دوسرے یہ کہ ختم نبوت کی تحریک پر جو بے جا پابندیاں ملک میں لگائی گئی ہیں، جو گرفتاریاں اس تحریک کو روکنے کے لیے عمل میں لائی گئی ہیں، اور پریس کا گلا گھونٹنے کے لیے جو کچھ کیا گیا ہے، اِس پورے سلسلے کو انہیں فوراً ختم کردینا چاہیئے، کیونکہ یہ سب کچھ ان کی ۱۳ رجون والی تقریر کی روح اور معنی کے بالکل خلاف ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

تعلیمِ قرآن اور خدماتِ دینیہ پر اُجرت کا جواز و عدم جواز

(۲)

ملک غلام علی

سوال:- جون کے ترجمان القرآن میں تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کے جواز میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ آپ نے لکھا ہے کہ متاخرین حنفیہ کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ متاخرین کہاں سے شروع ہوتے ہیں اور متقدمین کہاں ختم ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے ائمہ سلف کے حوالے سے بھی یہی بات لکھ دی ہے کہ سب اجرت کے جواز کے قائل ہیں۔ سلف اور متقدمین کا مفہوم و مطلب آپ کے نزدیک کیا ہے۔

میرے پیش نظر اس وقت احکام القرآن، جصاص ہے۔ اس کے جزء ثانی ص۲۶ ۵ طبع مصری، باب الرشوہ میں فرماتے ہیں:

ھٰذا دلیل ان کل ما کان مفعولاً علی وجہ الفرض والقرابہ الی اللہ انہ لا یجوز اخذ الاجرۃ علیہ کالحج وتعلیم القرآن والاسلام......

(اس سے دلیل ملتی ہے کہ جو کام فرض ہو یا جس سے مقصود تقرب الٰہی کا حصول ہو، اس پر اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً حج اور قرآن و اسلام کی تعلیم وغیرہ)۔

آپ واضح کریں کہ احکام القرآن کے مصنف متقدمین میں سے ہیں یا متاخرین میں سے اور دوسروں کے مقابلے میں ان کا اور ان کی رائے کا کیا درجہ و مقام ہے؟

آپ نے امام ابوحنیفہ کی رائے کے مقابلے میں صرف شامی کا ایک حوالہ دیا ہے جو امام صاحب کے قول پر بھاری نہیں ہو سکتا۔ دوسرا آپ کا استدلال دوسرے رنگ میں ہے جس میں حنفی مسلک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی روشنی میں بحث نہیں کی گئی۔ لیکن اس سے اس سوال کا جواب نہیں مل سکتا کہ اس خاص معاملے میں حنفیہ کا فتویٰ کیا ہے جس کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے اس کی دوبارہ وضاحت ضروری ہے۔

جواب:۔ مجھے بھی یہ معلوم ہے کہ علامہ ابو بکر الجصاص اور ان کے پیشرو اور متقدم احناف کا فتویٰ یہی تھا کہ تعلیم قرآن کی اجرت جائز نہیں۔ الجصاص کا سن وفات ۳۷۰ھ ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے اسی دور یعنی چوتھی صدی کے اواخر میں بعض فقہائے حنفیہ نے فتوے میں تبدیلی کرتے ہوئے پہلے ائمہ سے مختلف رائے ظاہر فرمائی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں حافظ ابو اللیث سمرقندی کا قول یوں درج ہے:

قال کنت افتی ان لا یحل للمعلم اخذ الاجرۃ علی تعلیم القرآن ...... فرجعت عن ذٰلک۔

(امام ابو اللیث نے فرمایا کہ میں پہلے فتویٰ دیتا تھا کہ معلم کے لیے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں مگر میں نے اس رائے سے رجوع کر لیا ہے)۔

فقیہ ابو اللیث ابو بکر جصاص کے ہم عصر ہیں اور ان کا انتقال ۳۷۳ھ میں ہوا ہے۔ قاضی خان بھی (جن کا پورا نام فخر الدین حسن بن منصور ہے) جواز کے حق میں اپنا فتویٰ دیتے ہیں اور ان کا سنِ وفات ۵۹۲ھ ہے۔ امام برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ ایک سال بعد ۵۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہدایہ کتاب الاجارہ میں عدمِ جواز کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

بعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیہ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتوی

(ہمارے بعض مشائخ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو استحساناً آج کل جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب دینی امور میں سستی اور تساہل پیدا ہو گیا ہے اور اگر تعلیم قرآن پر اجرت کی ممانعت کر دی جائے، تو حفاظت قرآن ناممکن ہو جائے گی اور اسی قول پر فتویٰ ہے)۔

امام اکمل الدین (ف۔ ۷۸۶ھ) ہدایہ کی شرح عنایہ میں اس مقام پر فرماتے ہیں:

انما کرہ المتقدمون ذٰلک لانہ کان للمعلمین من بیت المال عطیات فکانوا مستغنین عما لا بد لھم من امر معاشھم وقد کان فی الناس رغبۃ

© rasailojaraid.com